حضرت سلطان باہوؒ

موسم سرما کا آغاز ہو چکا تھا رات کی سیاہ چادر میں سے صبح صادق کا حسین چہرہ نمودار ہو رہا تھا۔ خطہ سونا کا اعوان النسل منصب دار بازید محمد حویلی سے باہر نکلا۔ اصطبل میں جا کر سون پری پر زین ڈالی اور اس سوار ہو کر ایڑ لگادی، صبح اہل خانہ نے منصب دار کو غائب پایا تو سخت متفکر ہوئے۔ حیران تھے کہ اسے زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا ہے۔ سون پری جنگل، بیلے، ندی نالے عبور کرتی ہوئی ہوا کے دوش پر اڑی جارہی تھی۔ دو دن کی مسافت کے بعد بازید محمد ملتان پہنچا۔ لوگ اسے ناظم ملتان کے پاس لے گئے۔ اس نے جب حالات دریافت کئے تو بازید محمد نے اپنی اصلیت کو پوشیدہ رکھا اور تین شرائط پر ملازمت کی درخواست کی۔ پہلی شرط یہ تھی کہ اس کی رہائش کسی پاک گوشہ میں ہو گی۔ دوسری شرط تھی کہ وہ کسی کو حاکم اور خود کو اس کا فرمانبردار تصور نہیں کرے گا اور تیسری شرط تھی کہ وہ خلاف شریعت اسلام کسی کو جھک کر سلام نہیں کرے گا۔ ناظم ملتان نے شرائط

کو سنا، غور کیا اور پھر اسے ملازم رکھ لیا۔ بازید محمد نے یہ سب کچھ اس لئے کیا تھا کہ اس کی زوجہ محترمہ بی بی راستی ولیہ کامل تھی اور یہ بات اسے کھا گئی تھی کہ وہ خود غفلت و حرص کا غلام ہو جو کہ عدم مردانگی کا ثبوت تھا۔ لہٰذا اس نے محل ماڑیوں، منصب و مرتبہ اور جاہ و حشم کو خیرباد کیا اور ملازمت میں رہ کر گوشہ نشین ہو کر یادالٰہی میں مشغول ہو گیا اور بہت جلد سلوک کی منازل طے کر لیں۔

ناظم ملتان اور راجہ مروٹ کے مابین کافی عرصے سے سرحدی تنازعہ چلا آرہا تھا۔ ان کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ جب بازید محمد کو معلوم ہوا تو آلات حرب سے لیس ہو کر ناظم ملتان کے پاس پہنچ گیا اور جنگ میں شرکت کی اجازت مانگی۔

ناظم ملتان نے پوچھا کہ وہ کس پلٹن میں شریک ہو گا تو اس نے جواب دیا کہ وہ علیحدہ تنخواہ کھاتا رہا ہے اس لئے علیحدہ ہی اس خدمت کو سرانجام دے گا۔ ناظم ملتان نے اس کی خوشی اور جذبے کو مقدم رکھا۔ شناخت کے لئے اسے راجہ مروٹ کی تصویر دی اور ایک آدمی کو بھی ہمراہ کر دیا جو راستے سے آشنا تھا۔ جب بازید محمد راجہ مروٹ کے شہر میں داخل ہوا تو راہ آشنا کو واپس بھیج دیا۔ اس کی ہیئت دیکھ کر لوگوں کو اس پر ایلچی کا گمان ہوا۔ لہٰذا وہ بغیر روک ٹوک کے راجہ کے دربار میں پہنچ گیا۔ اس سے پیشتر کہ درباری اس کی طرف متوجہ ہوتے اس نے چشم زدن میں راجہ کا سر کاٹا، توبڑے میں رکھا، اچھل کر سون پری پر سوار ہوا اور ہوا ہو گیا۔ جب درباریوں کو ہوش آیا تو اسے پکڑنے کے لئے لپکے۔ ہر طرف کہرام مچ گیا تھا۔

شہر پناہ کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ بطور خوارق عادت اور ظہور کرامت سون پری کو ایسی طاقت عطا ہوئی کہ قلعہ کی دیوار سے صحیح سلامت کود گئی۔

بازید محمد نے راجہ مروٹ کا سر لا کر ناظم ملتان کے سامنے رکھ دیا۔ لوگ حیران و ششدر رہ گئے۔ اس وقت دہلی میں شاہجہان سریر آرائے سلطنت تھا۔

اسے جب اپنے منصب دار کے بارے میں یہ اطلاع ملی تو فرمان شاہی کے ذریعے اسے واپس سون جا کر ریاست کی باگ دوڑ سنبھالنے کو کہا' لیکن اس نے درخواست کی کہ اسے منصب داری کے عہدہ سے سبکدوش کر دیا جائے کیونکہ وہ بقیہ زندگی یادالٰہی میں بسر کرنا چاہتا ہے۔ بادشاہ نے درخواست منظور کر لی۔

اس واقع کی خبر جب ملک سون پہنچی تو اس کے نسبتی بھائی ملتان پہنچے اور واپس چلنے کو کہا۔ اس نے جواب دیا۔

"بی بی راستی سے پوچھو اگر اس نے واپس آنے کو کہا تو آجاؤں گا۔"

بی بی راستی نے جب خاوند کی بات سنی تو بھائیوں سے کہا۔

"مجھ پر اللہ تعالٰی نے یہ حقیقت منکشف کی ہے کہ میرے بطن میں جو بچہ پرورش پارہا ہے وہ مادر زاد ولی اللہ ہے۔ اس کی پیدائش علاقہ چناب میں ہو گی۔ اس لئے مجھے بازید محمد کے پاس پہنچا دو۔"

بھائیوں نے اپنی ہمشیرہ کو ملتان میں اس کے شوہر کے پاس پہنچا دیا جہاں کچھ عرصہ رہنے کے بعد اللہ کے ولیوں کا یہ جوڑا شورکوٹ تشریف لے گیا جو ان دونوں پرگنہ ملتان میں واقعہ تھا۔ بادشاہ شاہجہان نے بازید محمد کو اس کی خدمت کے اعتراف میں پچاس بیگھہ زمین' قہراں کا گاؤں اور چند آباد کنوئیں شاہی املاک میں سے بطور انعام دیئے۔

میاں بیوی دونوں نیک ہوں تو وہ جہاں بھی رہتے ہوں وہ جگہ جنت سے کم نہیں۔ چنانچہ ۱۰۳۹ ہجری مطابق ۱۶۳۰ء عیسوی میں ان کے ہاں ایک خوبصورت بچے نے جنم لیا جس کا نام حضرت بی بی راستی نے باہو رکھا۔ حضرت سلطان باہو جب آغوش مادر میں تھے تو اپنی والدہ ماجدہ کا دودھ ماہ رمضان المبارک میں سحری سے افطاری تک نہیں پیتے تھے۔ وہ بھی اپنے والدین کی طرح روزہ رکھتے تھے۔ جب آپ قدرے بڑے ہوئے تو والد ماجد حضرت بازید محمد رحمتہ اللہ علیہ اس دارفانی سے جنت الفردوس تشریف لے گئے۔ اب آپ کی تربیت کی تمام تر ذمہ داری آپ

کی والدہ محترمہ پر تھی۔

ایک ولیہ جب کسی ولی اللہ کی تربیت کرتی ہے تو اس کا انداز ہی جداگانہ ہوتا ہے۔ آپ کی والدہ کو ایسا ذکر خفی حاصل تھا کہ آنکھوں سے آنسوؤں کی بجائے خون نکلتا تھا اور بفضل تعالیٰ یہی حال ان کے لخت جگر پر وارد ہوا جسے صوفیانہ اصطلاح میں حضور حق کہتے ہیں۔

حضرت سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ بچپن ہی سے انوار ذات حق اور تجلیات الٰہی میں مستغرق رہتے تھے۔ دنیاوی معاملات میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ہر وقت یاد الٰہی میں مشغول رہتے۔ اکثر اوقات غیرآباد ویران مقامات' جنگلوں اور ٹیلوں کی طرف تشریف لے جاتے جہاں گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر غریق ذکر و فکر ہو جاتے۔ انہماک و استغراق کا یہ عالم تھا کہ کئی کئی دن کھائے پیئے بغیر گزر جاتے تھے۔ آپ نے باقاعدہ علوم کہیں سے حاصل نہیں کیئے۔ آپ نے بحوالہ نورالہدیٰ خورد جو کچھ بھی سیکھا وہ اللہ کریم اور اس کے حبیب و محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری سے سیکھا۔ آپ نے حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر چلہ کشی کی اور دیگر اکابر اولیاء اللہ کے مزارات پر بھی حاضری دی۔ ایک دن گھر میں تشریف فرما تھے کہ والدہ محترمہ نے فرمایا۔

"بیٹا اب تمہیں کسی مرشد کامل کے ہاتھ پر بیعت کرلینی چاہیے"۔

ماں کی بات سن کر آپ نے عرض کیا۔

"میرے مرشد کامل تو رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں"۔

"یہ درست ہے لیکن پھر بھی ظاہری مرشد ہونا لازمی ہے۔"

جب آپ نے دیکھا کہ ماں اصرار فرمارہی ہے تو عرض کیا کہ آپ میرے لئے کافی مرشد ہیں۔

"بیٹا عورتوں کو بیعت اور تلقین کا حکم نہیں ہے۔"

ماں کی بات سن کر آپ نے کہا۔

"میں مرشد کہاں سے تلاش کروں ؟"

تو مائی صاحبہ نے ہاتھ بسوئے مشرق اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اللہ کی زمین بڑی وسیع و عریض ہے اس پر چل پھر کر تلاش کرو۔

آپ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے اور دریائے راوی کی طرف چل پڑے۔ ان دنوں گڑھ بغداد میں حضرت حبیب اللہ رحمتہ اللہ علیہ کا بڑا شہرہ تھا۔ آپ ان کے پاس تشریف لے گئے، چند روز قیام فرمایا۔ اس دوران میں حضرت شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ترک دنیا کی تعلیم دی۔ چنانچہ واپس گھر آکر جو ذاتی مال و متاع تھا سب اللہ کی راہ میں لٹا دیا۔ ازواج نے اپنے حقوق بخش دیئے تاکہ آپ کی راہ معرفت میں کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو۔ اس سے فارغ ہو کر آپ پھر حضرت شاہ حبیب اللہ رحمتہ اللہ علیہ کے پاس پہنچ گئے۔ ایک دن حضرت شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کو بلایا اور فرمایا۔

"اے درویش! جس نعمت و مقام کے تم مستحق ہو وہ ہمارے امکان سے باہر ہے، تمہاری مراد دہلی میں حضرت سید عبدالرحمان قادری رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ہے جو ان دنوں شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے منصب دار ہیں۔"

چنانچہ جب آپ بجانب دہلی روانہ ہوئے تو لبوں پر یہ شعر تھے ۔

بغداد شہر دی کیا نشانی جتھے اچیاں لمیاں چیلاں ھو
تن من میرا پرزے پرزے جیویں درزی دیاں لیراں ھو

انہاں لیراں دی گل کفنی پا کے رلساں سنگ فقیراں ھو
گڑھ بغداد دے ٹکڑے منگھل باھو کرساں میراں میراں ھو

ابھی آپ دہلی سے کافی فاصلے پر تھے کہ حضرت شیخ سید عبدالرحمٰن دہلوی قادری رحمتہ اللہ علیہ کو آپ کی آمد کے بارے میں کشف ہوا کہ معرفت کی امانت

جو ان کے پاس ہے اسے لینے والا آگیا ہے۔ فورا" ایک مرید خاص کو یہ کہہ کر بھیجا کہ فلاں راستے سے ایک گندم گوں، پر گوشت چہرہ، پیشانی و سینہ فراخ، خوبصورت اور بلند ناک، موٹی اور چمک دار پلکیں، ابرو سیاہ اور آنکھوں میں سفید و سرخ رگیں۔ موزوں بدن کا درویش آرہا ہے اسے ہمارے پاس لے آؤ۔ جب آپ کو لایا گیا تو حضرت عبدالرحمٰن قادری رحمتہ اللہ علیہ آپ کو خلوت میں لے گئے اور ایک ہی نگاہ سے معرفت الٰہی کی نعمت سے مستفیض فرما دیا۔ آپ کی امانت ولایت آپ کے سپرد کر دی، کچھ دن اپنے پاس رکھا اور پھر گھر جانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اس وقت آپ کی عمر بائیس سال تھی اور والدہ ماجدہ حیات تھیں۔

مرشد سے رخصت ہو کر آپ شہر میں تشریف لے گئے۔ ہر خاص و عام پر توجہ فرما کر اسے نور معرفت سے فیضیاب کرنے لگے۔ چشم زدن میں لوگوں کا ہجوم ہونے لگا۔ شہر میں غلغلہ مچ گیا کہ کوئی فقیر کامل لوگوں کو اللہ کے رنگ میں رنگ رہا ہے۔ حضرت سید عبدالرحمان قادری رحمتہ اللہ علیہ کے درویشوں نے سنا تو وہاں پہنچے۔ انہوں نے آپ کو پہچان لیا۔ مرشد کی خدمت میں جا کر عرض کیا۔ مرشد نے بلا بھیجا تو آپ فورا" حاضر خدمت ہو گئے۔ شیخ نے نعمت خاص کو عام کرنے کی وجہ دریافت کی، عرض کیا۔

" یا مرشد ! دیکھ رہا تھا کہ کس قدر نعمت عطا ہوئی ہے۔ مجھے محبوب اللہ رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ حکم دیا تھا کہ میں خلق اللہ میں فیض تقسیم کروں۔ آپ کا بھی یہی ارشاد تھا۔"

یہ سن کر مرشد نے مزید نعمت عطا فرمائی۔ بوقت رخصتی آپ فنا فی الشیخ تھے۔ آپ کے ہر بن مو سے یہ آواز آرہی تھی۔

الف اللہ چنبے دی بوٹی میرے من وچ مرشد لائی ہو
نفی اثبات دا پانی ملیس ہر رگے ہر جائی ہو

اندر بوٹی مشک مچایا جاں پھلاں تے آئی ہو
جیوے مرشد کامل باہو جیں ایہ بوٹی لائی ہو

حضرت سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ نے فیض رسانی کے جذبات سے بدرجہ اتم مخمور تھے۔ مرشد سے رخصت ہونے کے بعد مسجد میں تشریف لے گئے۔ جمعہ کا دن تھا مسجد میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ حضرت سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ سب سے پیچھے جا کر کھڑے ہو گئے۔ بعداز نماز ایسی توجہ فرمائی کہ مسجد میں موجود تمام نمازیوں پر وجد اور جذبات الٰہی کا غلبہ ہو گیا۔ حضرت اورنگ زیب عالمگیر جو ارکان سلطنت کے ہمراہ وہاں نماز کے لئے موجود تھے انہوں نے آپ سے کسی تبرک کے لئے درخواست کی۔ آپ نے فی الفور لکھانا شروع کر دیا' بادشاہ کے محرر آپ کے ارشادات کو ضبط تحریر میں لے آئے جسے بادشاہ نے اورنگ شاہی کے نام سے بطور یادگار اپنے پاس محفوظ رکھ لیا۔

وطن واپس آتے ہوئے ایک دن آپ ایک شاہراہ کے کنارے درخت کی چھاؤں میں آرام فرما رہے تھے کہ ہندو سنیاسیوں کا ایک گروہ ادھر آنکلا' ان میں سے ایک نے حقارت سے آپ کو پاؤں سے ٹھوکر ماری اور کہا۔

"اٹھو ہمیں یہاں سے سیدھا راستہ بتاؤ۔"

آپ اٹھ بیٹھے اور توجہ فرما کر کہا۔

"سیدھا راستہ تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔"

بس پھر کیا تھا۔ وہ سب کلمہ طیبہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ سب کے سب گم قبر' گم جسم اور گم نام و نشان ابدال ہو گئے تھے۔

حضرت سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ نے چار نکاح فرمائے تھے جن میں سے آٹھ صاحبزادے پیدا ہوئے۔ آپ کھیتی باڑی کیا کرتے تھے۔ لیکن جب انوار الٰہی کا

غلبہ ہوتا تو سب کچھ وہیں چھوڑ کر جنگلوں اور ویرانوں میں نکل جاتے۔ کھانے پینے کا خیال تک نہ رہتا' اکثر فاقہ کرتے۔ فرمایا کرتے تھے کہ فاقہ کی رات فقیر کے لئے معراج کی رات ہوتی ہے' جس رات اسے اللہ کا وصال ہوتا ہے۔

وراثت میں سب کچھ حاصل ہونے کے باوجود آپ نے ہمیشہ فقر محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کیا۔ فرمایا کرتے تھے اگر دنیا اچھی چیز ہوتی تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اسے کیوں نا قبول فرماتے۔ آپ نے نفس' دنیا اور شیطان تینوں لٹیروں کو طلاق دے رکھی تھی۔ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ اگر فرعون بھوکا ہوتا تو کبھی خدائی کا دعوے نہ کرتا۔ دنیا کو آپ بندے اور اللہ کے درمیان سب سے بڑا حجاب سمجھتے تھے۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ بھکر کے مضافات میں سیر کو نکل گئے۔ آپ کے خلیفہ سلطان حمید بھی آپ کے ساتھ تھے۔ ان کا مزار بھکر میں میاں عثمان رحمتہ اللہ علیہ کے قبرستان میں ہے۔ جب آپ آبادی سے دور نکل گئے تو ایک ویران ٹیلے پر پہنچے لیکن فوراً" نیچے اتر آئے اور ارشاد فرمایا کہ یہ کسی ظالم کا مکان ہے۔ تحقیق کی گئی تو وہ ٹیلہ ایک ہندو کا تھا جو اپنے وقت میں بڑا ظالم تھا۔

سلطان العارفین حضرت باہو رحمتہ اللہ علیہ ہمیشہ خود کو سیر و سیاحت میں مصروف رکھ کر عام دنیا داروں سے دور رہتے تھے۔ جب کبھی کسی کرامت یا خرق عادت کا ظہور ہوتا تو وہ جگہ فوراً" چھوڑ کر کہیں اور چلے جاتے تھے تاکہ لوگوں کی زیادہ آمد و رفت عبادت الٰہی میں مخل نہ ہو۔ ایک روز آپ پنجاب کے مغربی پہاڑوں کے دامن میں سے گزر رہے تھے تو وہاں ایک بچے کو گائیں بھینسیں چراتے دیکھا' اس کا نام نورنگ کھتران تھا۔ آپ نے چشم معرفت سے دیکھ لیا کہ اس بچے کی امانت ولایت ان کے پاس ہے تو بچے کی طرف فیض بھری نظروں سے دیکھا۔ اس پر جذبہ و مستی کی کیفیت طاری ہو گئی' جب آپ وہاں سے سون سکیسر

کے جنگوں کی طرف روانہ ہوئے تو نورنگ کھتران بھی ہمراہ ہو لیا۔ سون سکیسر سے آپ کلر کلھار کے پہاڑوں پر تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے انوار و تجلیات کے مشاہدات میں مستغرق و مست ہو گئے۔ کئی دن گزر گئے، حضرت نورنگ کھتران جو ابھی سلوک کی منازل طے کر رہے تھے ان پر بھوک اور پیاس نے شدید غلبہ کیا تو انہوں نے مرشد سے اس امر کا اظہار کیا۔ مرشد نے مراقبہ سے سر اٹھا کر کہا۔

"اے نورنگ ! برات عاشقان بر شاخ آہو۔"

زبان مبارک سے ان الفاظ کا نکلنا تھا کہ فوراً ایک ہرن نمودار ہوا جس کے سینگوں پر کھانے کا دسترخوان اور پانی کا چھاگل تھا۔ فوراً حضرت نورنگ کے لبوں پر یہ شعر مچل گیا۔

عجب دیدم تماشا شیخ باہو
برات عاشقاں بر شاخ آہو

اس کے بعد آپ نے حضرت نورنگ کھتران کو افطار کا حکم دیا اور خود بھی افطار کیا۔

حضرت سید ابو صالح موسیٰ شاہ المعروف موسیٰ شاہ گیلانی رحمتہ اللہ علیہ جو آپ کے خلیفہ تھے۔ انہوں نے مرشد کی ایک سو چالیس تصانیف جمع فرمائیں جن میں سے ہر کتاب اسرار و رموز اور معرفت و عرفان سے لبریز ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے آپ کی ہر کتاب کے اندر ایک مرشد کامل چھپا بیٹھا ہو۔ جس کے مطالعہ سے گم کردہ رہ مسافر اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے۔

آپ کا سلسلہ طریقت قادری سہروردی تھا۔ شریعت کے زبردست پابند، اہل معرفت، اہلسنت والجماعت تھے۔ فرمایا کرتے اگر کوئی فقیر سر مو خلاف شریعت چلے تو اسی وقت اس کی تمام نعمت سلب ہو جاتی ہے۔ اس لئے آپ ہر وقت شریعت کو

مدنظر رکھتے۔ فرمایا کرتے تھے جو باطن ظاہر کے خلاف ہے وہ باطل ہے۔ قرآن شریف اور شریعت سے کوئی چیز باہر نہیں۔ تمام عمر میں آپ نے ایک بھی مستحب ترک نہیں کیا۔ ساری عمر عشق الٰہی کی آگ میں سوزاں رہے۔ جب آپ تریسٹھ سال کے ہوئے تو اللہ تعالیٰ کے اس قلندر اور عاشق صادق کو مولا کریم کی طرف سے پیغام وصال آ گیا۔ محب کو اس سے زیادہ کیا خوشی ہو گی کہ محبوب پاس بلائے۔ چنانچہ یکم جمادی الثانی ۱۱۰۲ ہجری بروز جمعۃ المبارک صبح صادق کے وقت آپ واصل بحق ہو گئے اور مخلوق خدا اور مریدین و عقیدت مندوں کی موجودگی میں موضع قہمان کے قلعہ میں جو بادشاہ شاہجہان نے آپ کے والد گرامی کو بطور انعام دیا تھا سپردخاک کر دیا۔

آپ کو قبرانور میں آسودۂ خواب ہوئے ۷۷ سال ہوئے تھے کہ دریا نے اپنا رخ بدلا اور قبور و مقابر کا رخ کیا۔ آپ کے تابوت کو وہاں سے نکالا تو اندر سے دل پسند خوشبوئیں آ رہی تھیں۔ آپ کو دریا کے مغربی کنارے پر ایک حویلی میں دفن کر دیا گیا۔ آپ وہاں ایک سو ستاون سال دفن رہے۔ دریا نے پھر رخ بدلا اور پانی آپ کے مزار تک پہنچ گیا۔ لہٰذا ۱۳۳۶ ہجری میں آپ کے تابوت کو پھر نکالا گیا پھر عطر بیز خوشبوؤں کے درمیان زیارت کی گئی تو آپ بالکل ویسے تھے جیسے ۱۱۰۲ ہجری میں دفن کرتے وقت تھے۔ تیسری مرتبہ آپ کو حویلی سے ایک میل دور فاصلے پر محل شریف میں دفن کیا گیا۔

آپ کی زندگی سے یہ سبق ملتا ہے کہ غفلت و حرص کا غلام ہونا عدم مردانگی ہے۔ ظاہر و باطن میں یکسانیت ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ انسان حق پر ہے اور ہمیں شریعت مطہرہ کی حدود و قیود میں زندگی بسر کرنی چاہیے۔